ادارہ مصنفین نے مسند کی ترتیب بدل دی ہے اور اسے "صحابہ وار" رکھنے کی بجائے "مضمون وار" کر دیا ہے۔ اسی لیے اس کا نام الجامع المسند رکھا ہے۔ مسند تو اس لیے کہ یہ مسند احمد ہے اور جامع اس لیے کہ مسند کی ترتیب بدل کر جامع کی ترتیب رکھی ہے۔ اس نئی ترتیب سے تلاش احادیث میں بڑی سہولت ہوتی ہے۔

یہ ادارۂ ربوہ کا ایک بڑا مفید کام ہے۔ اور ہماری دعا ہے کہ یہ جلد انجام کو پہنچے۔ اربابِ ادارہ کو اگر ناگوار نہ ہو تو ہم یہ عرض کریں کہ آپ کے ہاں سے اب تک جتنے غیر ضروری لٹریچر شائع ہوتے رہے ہیں ان سے امت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا بجز اس کے کہ امت میں لایعنی مباحث پیدا ہو گئے اور ایسے مسائل پر امت میں تفریق پیدا ہوئی جن کے متعلق نہ آخرت میں بازپرس ہوگی اور نہ دنیا میں ان سے کسی قسم کا فائدہ ہوا۔ مسیح جو تھے آسمان پر زندہ ہیں یا نہیں؟ وہ آسمان سے نازل ہوں گے یا نہیں؟ مسیح سے مراد سچ مچ کا مسیح ہے یا مثیل مسیح؟ کیسے ان باتوں سے قوم کو کیا فائدہ؟ مسیح مردہ ہوں یا زندہ آخرت میں اس کے متعلق ہم سے یقیناً کوئی بازپرس نہ ہوگی اور دنیا میں بھی اس سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ ہمیں مسیح کو نہیں بلکہ اپنے آپ کو زندہ قوم ثابت کرنا ہے اور اس کا کوئی تعلق مسیح کو مردہ یا زندہ ثابت کرنے سے نہیں۔

کام کی بات آپ نے اب شروع کی ہے اور ہم "جامع مسند" کو اس کا پہلا قدم سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اس جلد کا خاتمہ ایسی روایات پر ہوا ہے جن سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید اسی مقصد کے لیے یہ پوری جلد لکھی گئی ہے۔ بہرحال ارکان ادارہ نے بڑی محنت سے کام کیا ہے۔ اپنی اس ترتیب کے مطابق ہی انہوں نے روایت سے پہلے ترتیب وار نمبر لگائے ہیں لیکن حاشیے پر اصل مسند کے نمبر اور جلد کا حوالہ بھی دیدیا ہے تاکہ کسی کو شبہ ہو تو اصل مسند نکال کر دیکھ لے۔ آغاز کتاب میں ایک مختصر سا معلومات افزا مقدمہ بھی ہے۔

(محمد جعفر)

خلافتِ معاویہ و یزید

مصنف محمود احمد عباسی۔ قیمت چھ روپے

اس کتاب کے متعلق صاحبِ کتاب کا دعویٰ ہے کہ یہ ان کی چالیس سال کی محنت کا نچوڑ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تالیف پر ان سے ہمدردی کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اس لیے کہ اس طویل مدت کی تحقیق کا نتیجہ یہ ہے کہ کتاب سب کچھ ہے مگر تاریخ نہیں ہے۔ اگر تاریخ نام ہے "تاریخی مسلّمات کے انکار کا، متفق علیہ روایات کے عدمِ قبول کا۔ اپنے مفروضہ مقصد کے خلاف روایات کو ترک کر دینے کا، مشتبہ روایات کو

سند قبول عطا کر دینے کا تب تو یہ بلاشبہ بڑی سنسنی خیز تاریخ ہے۔ لیکن اگر تاریخ تاریخ کو کہتے ہیں تو اسے کسی طرح بھی تاریخ نہیں کہا جا سکتا۔

کوئی کتاب جب لکھی جاتی ہے، تو قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ اس کتاب کا بہ ظاہر یہ مقصد معلوم ہوتا ہے کہ یزید کو "امیر المومنین" ثابت کیا جائے۔ حالانکہ یہ مقصد ایسا نہ تھا جس کے لیے عمر عزیز کے چہل سال ضائع کیے جاتے۔ یہ کتاب لکھے بغیر بھی جناب مؤلف یزید کو امیر المومنین مان لیتے تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوتا، —— فکر ہر کس بقدر ہمت اوست!۔

دوسرا سوال جو کسی کتاب کو دیکھ کر پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ آیا مصنف نے کوئی ایسی تحقیق پیش کی ہے جو کسی بنیادی مسئلہ کو زیادہ اجاگر کرتی ہو؟ یہاں اس اعتبار سے بھی مایوسی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے خلافت کے لیے کسی کو نامزد نہیں کیا۔ یہ کام اُمّت پر چھوڑا کہ جسے چاہے سربراہ مقرر کر لے، حالانکہ بظاہر نامزدگی کی سب سے زیادہ ضرورت اسی وقت تھی۔ لیکن آپؐ نے اُمّت کے ایک حق کو سلب نہ کرنا چاہا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو نامزد کیا۔ لیکن یہ نامزدگی تابع تھی قبولِ عام کی۔ حضرت عمرؓ نے چند آدمیوں کا ایک "پینل" قائم کر دیا۔ لیکن حلفاً اپنے صالح اور مستحق بیٹے کو اس سے خارج کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے کچھ نہ کیا۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھ پر ارباب حل وعقد نے بیعت کر لی۔ حضرت علیؓ جب اس دنیا سے رخصت ہونے لگے تو پوچھا گیا:

"کیا ہم حسنؓ کے ہاتھ پر آپ کے بعد بیعت کر لیں؟" علیؓ مرتضےٰ نے جواب دیا:

"نہ میں یہ کہتا ہوں کہ حسنؓ کی بیعت کرو، نہ یہ کہتا ہوں کہ نہ کرو۔ میں تمہیں اس حالت میں چھوڑے جا رہا ہوں جس حالت میں رسول اللہؐ چھوڑ گئے تھے!"

گویا عہد خلافت راشدہ تک معمول یہ رہا کہ سربراہ اُمّت نے اپنے بیٹے کو نامزد نہیں کیا۔ لیکن امیر معاویہ امت میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے بزور شمشیر اور بنوکِ سنگین، اپنے بیٹے کو اپنی زندگی میں، اجلّ صحابہ کو نظر انداز کر کے، نامزد کر دیا۔ اس موقع پر عبداللہ بن زبیر نے کہا تھا: "ہم آپ کی نامزدگی تسلیم کر لیں گے اگر آپ اپنے بیٹے کو نامزد نہ کریں!" لیکن امیر معاویہ نامزدگی پر، اور اپنے بیٹے کی نامزدگی پر مصر رہے۔ اور اس کے بعد سے موروثی حکومت کا غیر اسلامی سلسلہ جو شروع ہوا ہے تو ترکوں کے الغائے خلافت تک یعنی تقریباً تیرہ سو برس تک قائم رہا۔ امیر معاویہ کی اس غلطی کو اگر اجتہادی غلطی سے تعبیر کیا جاتا (جیسا کہ بعض اکابر کا قول ہے)، تو ایک بات بھی تھی، لیکن جناب مؤلف کی چالیس سالہ تحقیقات کا حکم ناطق یہ ہے کہ

امیر معاویہ کا یہ فعل، عین صواب تھا۔

فاضل مؤلف نے اپنی تحقیق چہل سالہ کا سارا زور اس پر صرف کیا ہے کہ امام حسینؓ کی حیثیت امیرالمومنین یزید کے مقابلہ میں باغی کی تھی، اور باغی کی سزا قتل ہی ہے۔ نیز یہ کہ امام حسینؓ صرف اس لیے تخت خلافت کے مدعی تھے کہ وہ رسولؐ کے نواسے اور علیؓ کے بیٹے تھے۔ اس سلسلہ میں پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یزید کی بیعت (امام مالک وغیرہ کا فتوی ہے کہ بیعت جبری ناجائز ہے) جب جائز ہی نہیں تھی، تو اس کے خلاف ہتھیار اُٹھانے والا باغی کیسے ہوگیا؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ یزید اگر صرف اس لیے کہ امیر معاویہ کا بیٹا تھا خلافت کا مستحق تھا، تو حسینؓ اس لیے کہ وہ رسولؐ کے نواسے، اور علیؓ مرتضٰے کے بیٹے تھے، کیوں مستحق نہیں تھے؟ جبکہ دونوں کی سیرت، کردار اور شخصیت میں بھی زمین آسمان کا فرق تھا؟

مؤلف نے اپنی حد تک تو یزید کے بارے میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ——— خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں ——— لیکن یزید کے بارے میں، اور اس کے دورِ حکومت کے بارے میں، اور اس کے استحقاقِ خلافت کے بارے میں خود یزید کا لختِ جگر یعنی معاویہ بن یزید جو خطبہ دے کر خلافت سے دستبردار ہوگیا تھا اسے وہ یکسر نظر انداز کر گئے ہیں۔ کیا یہی اصول ان کی چہل سالہ تاریخی دریافت کی اساس ہیں۔

اس کتاب کا سب سے زیادہ دلچسپ حصہ وہ ہے، جہاں فاضل مؤلف روانیٔ سخن میں کچھ ایسی باتیں کہہ گئے ہیں جو لطائف و ظرائف کی تاریخ میں ایک مستقل حیثیت کی حامل ہیں۔ مؤلف کو اس پر اعتراض ہے کہ بنو ہاشم نے اموی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کیوں کی؟ اس کوشش کو وہ بغاوت تک سے تعبیر کرنے میں تامل نہیں کرتے لیکن عباسیوں نے جب اموی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش شروع کی تو اسے وہ "عظیم اصلاحی تحریک" قرار دیتے ہیں۔ گویا اس وقت جب یزید کا استحقاق خلافت مابہ النزاع تھا اس کے خلاف ہتھیار اٹھانا بغاوت، اور سو سال کی جمی ہوئی حکومت کا تختہ الٹ دینے کی کوشش کرنا، اور الٹ دینا اصلاحی تحریک۔ ——— شاید اس لیے کہ فاضل مؤلف خود بھی عباسی ہیں۔

(رئیس احمد جعفری)